تبصرہ و تعارف

تفہیم شعر (مضامین)
مصنف: اختر شاہجہاں پوری
صفحات: ۳۰۴، قیمت: ۳۰۰ روپے
ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار جامع مسجد، دہلی

اردو شاعری پر آنے والی کتابوں کے ہجوم میں اختر شاہجہاں پوری کی کتاب تفہیم شعر ایک ایسے مضامین کا مجموعہ ہے جس کے مطالعے سے شعر فہمی کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ کیونکہ مصنف نے اس کتاب میں قدیم و جدید ایسے ۳۶ شعرا کے کلام پر ناقدانہ نگاہ ڈالی ہے جن کا اردو شاعری میں اہم مقام ہے۔ انھوں نے منجملہ شعرا کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے دیگر شعرا کے کلام سے تقابلی مطالعہ بھی پیش کیا ہے جس سے ان کی شعر فہمی کی صلاحیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ دراصل کتاب میں جن شخصیات سے متعلق مضامین ہیں ان میں بعض اردو کے قد آور شعرا بھی ہیں اور بعض جدید شعرا بھی، چونکہ اختر شاہجہاں پوری نثر نگار ہونے کے ساتھ ساتھ نظم نگار بھی ہیں۔ اس لیے شاعر کے کلام پر اظہار خیال میں تنقیدی بصیرت کی بھرپور جھلک دیکھنے کو ملتی ہے۔

اتر پردیش میں شاہجہاں پور ایک ایسا مردم خیز خطہ ہے جہاں پر بے شمار عالم، برگزیدہ صوفی اور بے مثل شاعر و ادیب پیدا ہوئے ہیں۔ مشہور محقق و ادیب رشید حسن خاں کا بھی اسی شہر سے تعلق تھا۔ دراصل مصنف نے رشید حسن خاں اور ڈاکٹر قمر رئیس کی رہنمائی میں ہی تنقیدی مضامین تحریر کرنا شروع کئے ان کی اب تک تنقید کے میدان میں نقد و نظر، ادراک فن اور تفہیم کے نام سے تین کتابیں شائع ہو کر ادب میں اپنی اہمیت تسلیم کرا چکی ہیں۔

''تفہیم شعر'' میدان تنقید میں ان کی چوتھی کتاب ہے۔ جس میں پہلا مضمون ''شاہجہاں پور اور ڈاکٹر قمر رئیس'' کے عنوان سے ہے۔ مصنف کا یہ مضمون اپنے وطن سے محبت کا ثبوت بھی ہے اور ڈاکٹر قمر رئیس کے علمی کارناموں کا اعتراف بھی، ساتھ ہی ساتھ انھوں نے ان کی ذاتی زندگی سے بھی جس انداز سے پردہ اٹھایا ہے وہ قابل توجہ ہے۔ ان کا کہنا ہے:

> ''قمر رئیس کے نام میں ان کا اپنا کچھ نہیں ہے۔ قمر جہاں سیتا پور کی رہنے والی تھیں جن سے ان کا پہلا پیار ہوا اور دوسرا رئیسہ بیگم سے جن سے شادی ہوگئی یہ دونوں نام ملا کر قمر رئیس رکھ کر ڈاکٹر صاحب نے خود کو تسلی بھی دی اور ان دونوں کو بھی مطمئن کر دیا۔''

دراصل یہ مضمون ڈاکٹر قمر رئیس کی ذاتی زندگی، علمی، ادبی اور تنقیدی صلاحیتوں کی تفہیم میں قاری کی رہنمائی کرتا ہے۔ کتاب میں شامل مضامین کا تعلق شاعری سے ہے البتہ ایک مضمون صحافت سے بھی متعلق ہے جس کا عنوان ہے ''آزادی کے بعد اتر پردیش میں اردو صحافت'' کتاب کے نام تفہیم شعر کے پیش نظر اس مضمون کے شامل ہونے کا جواز بظاہر نظر نہیں آتا، البتہ ''تاجدار شہر سخن سہیل غازی پوری'' وقیع مضمون ہے۔ ان کی شاعری کا تقابلی مطالعہ پیش کرتے ہوئے شعری مجموعوں پر ان کے منظوم تبصروں کا ذکر ہے ساتھ ہی ساتھ سہ ماہی رسالہ کی خصوصیات و امتیازات کا بھی تذکرہ ہے۔ بلا شبہ ان کا یہ کام کارے دارد کا مصداق ہے۔ لکھنؤ کے مشہور ادیب و شاعر منشی دوارکا پرشاد افق بھی منظوم اخبار ''نظم'' کے نام سے نکالتے تھے جس کی خبریں منظوم ہوا کرتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ادب میں اس قبیل کے اجتہادات شاذ ہی نظر آتے ہیں۔

اختر شاہجہاں پوری کے مضامین کے عنوان اچھوتے اور نئے ہوتے ہیں جس بنا پر وہ قاری کی توجہ اپنی جانب مبذول کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ انھوں نے کتاب میں جن شعرا کی شعری خصوصیات سے قاری کو واقف کرایا ہے ان پر بہت کم لوگوں کی نگاہ گئی ہے۔ فیض احمد فیض کے متعلق ان کا یہ ماننا ہے:

> ''ان کی اشتراکیت پسندی نے ان کو شہرت، عزت اور دولت سے تو نوازا لیکن ان کو عظیم شاعر نہیں ہونے دیا۔ اس لیے کہ فیض نہ تو رومانی شاعر ہو پائے اور نہ باغی۔ ذہن و دل کے اسی تضاد نے انھیں بہت نقصان پہنچایا۔''

''تفہیم شعر'' میں اختر شاہجہاں پوری نے متعدد جگہوں پر اپنے تخیلات کا اظہار مدلل انداز میں کیا ہے جن سے ناقدین اختلاف بھی کر سکتے ہیں۔ انھوں نے عہد حاضر کے جن شعرا کے شعر کے کمالات سے واقف کرایا ہے وہ ادبی دنیا میں خاصہ کی چیز ہے۔ کیونکہ ان خصوصیات و امتیازات کے پیش نظر شاعر کی قدر و منزلت کا اندازہ قاری کو ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ تفہیم شعر فکر انگیز مقالات کا مجموعہ ہے جس کے مطالعے سے قدیم و جدید شاعری کی تفہیم میں مدد ملتی ہے۔ امید ہے کہ اردو حلقے میں اس کتاب کی پذیرائی ہوگی۔

تبصرہ نگار: ڈاکٹر ریحان حسن
شعبۂ اردو فارسی، گورونانک دیو یونیورسٹی امرتسر، پنجاب، موبائل: 8559020015

عوامی مرثیے کی روایت
مصنف: لئیق رضوی
صفحات: ۱۸۳، قیمت: ۲۵۰ روپے
ملنے کا پتہ: قلم کار، بی۔1448، کریلی، الہ آباد (یوپی)

رثائی ادب اور عزاداری ہندوستانی تہذیب کا بہت اہم حصّہ رہے ہیں۔ میر انیس کے حصّے میں اس اوّلیت کا فروغ لکھا ہوا تھا، انھوں نے اپنے حصّہ کو اس کے تمام تر اشتراکات کے ساتھ ادا کرنے کی کامیاب سعی کی ہے۔ اس روایت کو آگے بڑھانے والے شعرا نے بھی انتھک اور قابل ذکر کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ زبان و ادب کے اکثر محققوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ

اردو کی شعری روایت ذکر کر بلا کے بغیر نامکمل شمار کی جائے گی۔ مرثیہ میں جو مقامی رنگ کی آمیزش ہے اور اس میں جو علاقائی آہنگ پایا جاتا ہے، اس نے اس کی داخلی اور خارجی ہر دو فضاؤں کو بڑی حد تک متاثر کیا ہے۔

پیش نظر کتاب 'عوامی مرثیے کی روایت' لئیق رضوی کی تصنیف ہے۔ لئیق رضوی اپنے تحقیقی اور تنقیدی مضامین میں اپنے انفراد کے باوصف ایک خصوصی شناخت رکھتے ہیں۔ اس سے قبل شخصی مرثیے کی روایت پر نیا دور لکھنؤ میں سلسلہ وار شائع مضامین نے انھیں بڑی شہرت اور عروج بخشا ہے۔ عوامی مرثیوں سے ان کی جان پہچان بچپن سے ہی ہے۔ انھوں نے محرم کے جلوسوں میں مرثیہ خوانی کے بہت سے علاقائی رنگ دیکھے ہیں اور ان کو گہرائی سے سمجھا ہے۔ اس کتاب میں گیارہ باب ہیں۔ پہلا باب ہندستان میں عزاداری ہے جس میں ہندستان کی عزاداری پر ایک نظر ڈالتے ہوئے اس کے تہذیبی رویوں اور معاشرتی اقدار پر گفتگو کی گئی ہے۔ ساتھ ہی عزاداری سے متعلق ان گم شدہ سلسلوں کو تلاش کر کے ایک زنجیر میں پرونے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ عوامی مرثیہ کی تہذیبی روایت مستحکم ہو سکے۔ دوسرے باب میں عزاداری پر ہندستان کی تہذیب و ثقافت کے اثرات کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کے امتیازات منظر عام پر لانے کی سعی کی گئی ہے۔ تیسرا باب مشترکہ تہذیب و روایت اور عوامی عقیدتوں کے اظہار پر مشتمل ہے، جس میں پٹہ بازی، سوانگ، چھریوں کا ماتم، اکھاڑہ اور نقارہ کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ چوتھا باب عوامی مرثیہ کی روایت میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ اس باب میں عوامی مرثیہ کی تعریف، اس کی مختلف شکلیں، اس کی جڑیں اور اس کی روایت پر گفتگو کرتے ہوئے مرثیہ کے عوامی ربط وضبط کو واضح کیا گیا ہے۔ پانچویں باب میں شمالی ہند میں عوامی مرثیہ، چھٹے باب میں پنجاب میں عوامی مرثیہ اور ساتویں باب میں دکن میں عوامی مرثیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے ماٰخذ سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ آٹھواں باب 'دہوں کی دنیا' ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ 'دہا' محرم کے ابتدائی دس دن، تعزیہ اور عزاداری کے لیے دیہی علاقوں میں رائج ہے۔ لئیق رضوی نے اس بات کے لیے شواہد بھی پیش کیے ہیں، جن سے اس روایت کو تقویت ملتی ہے۔ نواں باب زاری: 'درد سے اپجا گان' ہے جس میں زاری کی تفصیلات پر گفتگو کی گئی ہے۔ جس میں عاجزی اور آہ و شیون کے اظہار پر روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ زاری عوامی مرثیوں کی قدیم ترین شکل ہے۔ دسواں باب اردو رثائی شاعری پر عوامی ادب کے اثرات اور گیارہواں باب انتخاب عوامی مرثیہ ہے۔ حضرت امام حسینؓ کی یاد اور سانحۂ کربلا کے دردانگیز واقعات ہندوستان کے عوامی مرثیے اور لوک گیتوں میں ایسے رچ بس گئے ہیں کہ ہندستان کی تہذیب وثقافت کا ایک حصّہ معلوم ہوتے ہیں۔

لئیق رضوی نے جگہ جگہ دلائل وشواہد کے ساتھ دیہی مرثیوں سے اپنی گفتگو کو آگے بڑھایا ہے۔ ان کی زبان سادہ اور عام فہم ہے، انھوں نے کہیں بھی حضرت امام حسینؓ سے بے پناہ عقیدتوں کو متاثر نہیں ہونے دیا۔ ورنہ عام طور پر محققین تحقیق کے دائروں میں اس طرح الجھ جاتے ہیں کہ اس سے بعض اوقات عقیدتیں متاثر ہو جاتی ہیں۔ لئیق رضوی عوامی مرثیے کی روایت کو منظر عام پر لانے کے لیے مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے دیہی اور عوامی زندگی سے مرثیہ جیسی سخت جان صنف کو تلاش کر کے موضوع تحقیق بنایا ہے۔

یقین ہے اس کتاب کا اس کے شایانِ شاں استقبال کیا جائے گا۔

تبصرہ نگار: ڈاکٹر منور حسن کمال

N-93، چوتھی منزل، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025

قاضی عبدالستار کی افسانہ نگاری

مصنفہ: مہناز عبید

صفحات: ۱۰۴، قیمت: ۱۷۵/روپے

رابطہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار جامع مسجد، دہلی

قاضی عبدالستار کا شمار اردو فکشن کے ان قد آور ادیبوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی کہانیوں اور ناولوں کے ذریعہ بے پناہ شہرت ومقبولیت حاصل کی ہے۔ موضوع کی اہمیت کے ماسوا ان کا نثری اسلوب بھی اپنے اندر ایک عجیب طلسمی کیفیت رکھتا ہے۔ قاضی عبدالستار کے بیشتر افسانوں کا موضوع مشرقی اتر پردیش میں نظام زمینداری اور جاگیرداری کے خاتمہ سے پیدا ہونے والے سماجی اور اقتصادی مسائل ہیں، تاہم قاضی صاحب نے اس نظام کے ماتحت ایک پوری تہذیبی زندگی اور اس سے وابستہ اقدار و روایات کی پامالی پر اپنے روحانی درد وکرب کو جس فنکارانہ چابکدستی اور زبان و بیان پر محاکمانہ قدرت کے ساتھ حرف وصوت کا جامہ پہنایا ہے، وہ ان کا غیر معمولی کارنامہ ہے۔

قاضی صاحب کے نمائندہ افسانوں کے فکر انگیز تنقیدی وتجزیاتی محاکمہ پر مبنی موجودہ دیدہ زیب کتاب مہناز عبید کی ادبی و جمالیاتی تحسین شناسی، ذہانت اور گہرے تخلیقی شعور کی بہترین مثال کہی جاسکتی ہے۔ قاضی عبدالستار کی زبان اور طرز اظہار کے ماسوا ان کے موضوع کی فی زمانہ معنویت اور قدر و قیمت پر اس کتاب میں جو بحث کی گئی ہے اس سے بھی مصنفہ کی اودھ کی ادبی وتہذیبی میراث سے گہری واقفیت اور ذہنی رغبت کا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔ جاگیردارانہ معاشرہ تو بہرحال ختم ہونا تھا جو تاریخ کے ایک موڑ پر پہنچ کر ختم ہو گیا، لیکن اس خاکستر سے زندگی کی کوئی نئی کرن یا پائیدار اقرار کا کوئی نیا سرچشمہ نہیں پھوٹا جس کا شدید احساس قاضی صاحب کے ذہنی و روحانی اضطراب کا باعث رہا ہے۔ مہناز عبید نے اپنے تجزیاتی محاکمہ میں ان تمام پہلوؤں کا احاطہ کر کے ایک روشن اور منفرد تنقیدی بصیرت کا ثبوت پیش کیا ہے جس کے لیے وہ مبارکباد کی مستحق ہیں۔

تبصرہ نگار: قدوس جاوید

27، گرین ہیلس کالونی، بھیونڈی، جموں، موبائل: 0 9419132685

ذکر رفتگاں (مجموعۂ مضامین)

مؤلفہ: ڈاکٹر خالدہ خاتون

صفحات: ۱۹۲، قیمت: ۲۵۰/روپے

ناشر: ارم پبلشنگ ہاؤس، دریاپور، پٹنہ

زیر تبصرہ کتاب ڈاکٹر خالدہ خاتون کے اُن مضامین کا مجموعہ ہے جو انھوں نے اُردو ادب کی علمی اور ادبی شخصیات کی وفات کے فوراً بعد تحریر کیے۔ اس مجموعے میں کچھ مضامین ایسے بھی ہیں جو زیر مطالعہ شخصیات کو پڑھنے یا ان کے علمی کارناموں سے متاثر ہو کر سپردِ قلم کیے گئے ہیں۔ بعض مضامین ایسے بھی ہیں جو محترمہ نے پی ایچ ڈی کرتے وقت لکھے۔ اس مجموعے کی خاص بات یہ ہے کہ صوبہ بہار کے اہل قلم کی علمی خدمات کو منظر عام پر لانے کی محترمہ نے قلمی مساعی خوب کی ہے۔ ویسے ڈاکٹر خالدہ خاتون کا تعلق بھی صوبہ بہار کے علمی، ادبی و مردم خیز علاقے روینڈھا (دربھنگہ) سے ہے۔ جہاں وہ اپنے شوہر معروف سائنسداں ڈاکٹر نورالاحد کے ساتھ اپنے اہل خانہ کے ساتھ سکونت پذیر ہیں، لیکن یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اس مجموعے میں ملک محمد جائسی سے لے کر عہد ساز شخصیت سرسید احمد خاں، الطاف حسین حالی کے علاوہ شاد عظیم آبادی، سہیل عظیم آبادی، پرویز شاہدی، پروفیسر محمد حسن، مظہر امام، پروفیسر وہاب اشرفی، پروفیسر قمر رئیس، شہر یار، اختر الایمان، حفیظ بنارسی، مجروح سلطانپوری، پروفیسر لطف الرحمٰن، پروفیسر منصور عمر، پروفیسر قمر اعظم ہاشمی، ساحر لدھیانوی کے ساتھ ساتھ ذکی انور اور احمد یوسف کی علمی و ادبی خدمات کا طائرانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ ''میرا تاثر'' کے تحت پروفیسر علیم اللہ حالی نے ڈاکٹر خالدہ خاتون کی ستائش اور ان کی ادبی کاوش پر بڑی پُر مغز گفتگو کی ہے۔'' اس کتاب کے علاوہ محترمہ کی دو کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ ساتھ ہی ۴ کتابیں زیر طبع ہیں۔

ڈاکٹر خالدہ خاتون نے اس مجموعے میں ۲۰/مضامین کو شامل کیا ہے۔ جس میں نو مضامین نثر کے زمرے میں آتے ہیں اور باقی گیارہ مضامین شاعرانہ منہاج و کمالات کے درجے میں رکھے جائیں گے۔ ان مضامین میں ڈاکٹر خالدہ خاتون نے اپنے زور قلم سے ایک نئی روح پھونکی ہے۔ خالدہ خاتون نے اپنے مضامین میں سادہ، سلیس اور شستہ زبان کا استعمال کیا ہے۔ اسلوب نگارش اتنا دل کش ہے کہ قاری پورا مضمون مکمل کیے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ ڈاکٹر خالدہ خاتون نے اپنے مضمون 'ملک محمد جائسی کی شاعری' میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اُردو والوں کو بھی قدیم ہندی شاعروں کو سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ہمارے ادبی بزرگوں نے کن مشکل حالات میں تخلیقی عمل کو جاری و ساری رکھا۔ ساتھ ہی محترمہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ جتنے بھی قدیم قصے ہندی شاعروں یا پریم مارگی (صوفی شاعروں) شاعروں نے اپنے کلام میں پیش کیے ہیں ان میں اُردو اور فارسی زبان کے اثر کو قارئین کے سامنے لانا چاہیے۔ مصلح قوم مولانا الطاف حسین حالی کی شاعری اور ان کی علمی خدمات کا جائزہ پیش کرتے ہوئے محترمہ لکھتی ہیں کہ حالی کی زندگی کو صرف اصلاحی شاعری یا تنقید کے موجد کے طور پر پیش نہ کیا جائے بلکہ ان کی تعلیم نسواں کی خدمات کو موجودہ دور میں عوامی سطح پر متعارف کرانے کی سخت ضرورت ہے۔ تاکہ تعلیم نسواں کے فروغ میں جو کاوشیں مولانا حالی نے انجام دیں انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ سہیل عظیم آبادی کی شخصیت اور ان کی افسانہ نگاری کے حوالے سے محترمہ کا خیال ہے کہ عظیم آباد اسکول کے اس فرزند کو اُردو ادب میں جو مقام ملنا چاہیے تھا وہ ابھی تک نہیں ملا ہے اور انھیں صرف پریم چند اسکول کا ایک اہم افسانہ نگار کہہ کر بات ختم کر دی جاتی ہے۔ پرویز شاہدی کی شاعری اور علمی مساعی پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے محترمہ نے تحریر کیا ہے کہ پرویز شاہدی کو ترقی پسند تحریک کا تیسرے درجے کا شاعر کہنا غلط ہے بلکہ انھیں ترقی پسند تحریک اور بنگال کی صف اول کا شاعر تسلیم کیا جانا چاہیے۔ پروفیسر محمد حسن کے بارے میں محترمہ کا خیال ہے کہ انھیں صرف ایک ڈراما نگار کی ہی حیثیت سے اُردو ادب میں پہچانا جاتا ہے جب کہ پروفیسر محمد حسن نے انگریزی اور ہندی ادب کی تاریخ پر جو تنقیدیں رقم کی ہیں ان کو منظر عام پر لایا جائے۔ اسی طرح مظہر امام کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ موصوف کو بحیثیت شاعر ہی نہیں بحیثیت نقاد بھی پڑھا جائے۔ پروفیسر وہاب اشرفی کی علمی اور ادبی خدمات کا احاطہ کرتے ہوئے محترمہ نے لکھا ہے کہ ان کی شخصیت عہد ساز شخصیت (Ltereary Legend) تھی۔ وہ صرف ایک محقق، نقاد، تاریخ داں، افسانہ نگار ہی نہیں تھے بلکہ ایک صحافی اور ماہر دکنیات بھی تھے۔

منجملہ ڈاکٹر خالدہ خاتون نے جن اہل قلم کو قارئین سے متعارف کرایا ہے ان کی شخصیت سے مرعوب ہونا فطری عمل ہے۔ میں محترمہ کی توجہ کتاب کی پروف ریڈنگ کی جانب بھی مبذول کرنا چاہوں گا کہ کہیں حوالوں کی کتاب کا نام غلط ہے اور کہیں اشعار میں لفظ چھوٹ گئے ہیں۔ اس سے متن کا حسن مجروح ہوتا ہے۔ کل ملا کر یہ کتاب مختلف پھولوں کا گلدستہ ہے۔ یہ کتاب اپنی خوشبو سے ایک زمانے تک قاری کو معطر کرتی رہے گی۔

تبصرہ نگار: ابراہیم افسر

وارڈ نمبر 1، مہپا چوراہا، نگر پنچایت سوال خاص، ضلع میرٹھ (یوپی)

نعت، مرثیہ اور عرفان

شاعر: حیات عامر حسینی

صفحات: ۲۲۴، قیمت: ۳۰۰/روپے

تقسیم کار: مکتبہ جامعہ، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ (یوپی)

فن ایک تخلیقی عمل ہے، وہی فن بلندی پر پہنچتا ہے، جس میں الفاظ متوازن ہوں اور مضمون کی موزونیت برقرار رہے اور اس فن کے اسرار و رموز قاری کے سامنے آجائیں۔

پیش نظر کتاب 'نعت، مرثیہ اور عرفان' جو حیات عامر حسینی کی تصنیف ہے، اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت اہم کتاب ہے۔ برصغیر ہند میں ادب اس المیہ سے دوچار نظر آتا ہے کہ یہاں عربی اور فارسی زبان کے مفکرین شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں اور پھر اگر فلسفۂ ادب عربی اور فارسی کی بات ہو تو ہو سکتا ہے ہمیں اپنا دامن خالی نظر آئے، اس لیے کہ یہ زبانیں اردو زبان و ادب کی بنیادیں ہیں۔ بات اگر نعت، مرثیہ اور ان کے عرفان کی ہو تو یقیناً ہمیں عربی اور فارسی ادب کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا ہوگا۔ اسی وقت ہم مذکورہ اصناف سے انصاف کر سکیں گے۔ حیات عامر حسینی نے اپنے مطالعے کو انہی جہات پر مرکوز رکھتے ہوئے رسول اکرمؐ، صحابۂ کرامؓ اور اہل بیت سے متعلق جو گفتگو کی ہے، وہ بہت اہم اور کثیر جہتی ہے۔ انہوں نے فلسفہ و مذہب اور فن کے سوالات و مباحث پر مدلل انداز میں روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے، جس کو سراہا جانا چاہئے۔

کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں نعت، مرثیہ اور عرفان اور دوسرے حصے میں عصری آگہی، مرثیہ اور انیس پر جامع گفتگو کرتے ہوئے انھوں نے یہ بتایا ہے کہ یونانی مفکرین نے حسن کو خیر اور فکر کو دو زمروں میں تقسیم کیا، لیکن اس تقسیم کی تفہیم سسرو کے یہاں بڑی واضح ہے۔ اس نے حسن کی دو قسمیں بیان کیں۔ ایک دلربائی اور دوسری عظمت۔ دلربائی نسوانی صفت ہے اور عظمت مردانہ خصوصیت۔ یہ تقسیم حسن کی ماہیت اور حقیقت پر غور کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ دنیا کی کسی قوم اور تہذیب میں مرثیہ اور آنسو کو وہ حیثیت نہ ملی جو مسلمانوں کے یہاں ہے اور یہ بات بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عصری آگہی کا تعلق اپنے گرد و پیش کے مسائل سے ہے۔

گویا نعت وہی کہے گا جس کے پاس عشق نبیؐ کی دولت ہوگی اور اس کا انحصار تطہیر قلب پر ہے اور مرثیہ کے لیے اہل بیت کے محاسن و مصائب جس قدر اور جس تفصیل کے ساتھ جس پر واضح ہوں گے وہی مرتبۂ کمال کو پہنچے گا۔

مصنف نے عرفان کو مختلف علمی دائروں میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں ایک نفسیاتی طریق کار بھی ہے جس پر مغرب میں کئی بڑے فلاسفر اور مفکرین نے جو کام کیا ہے، وہ بڑا مقتدر اور اعلیٰ شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ انہوں نے اس کے تجزیہ اور تحلیل و مباحث کو کئی اہم وجوہ کی بنا پر اسلامی تصوف کی تحلیل میں اہم نہیں سمجھا ہے۔ یہاں انہوں نے بعض مشرکانہ تہذیب کا بھی تذکرہ کیا ہے، جن کا اسلام میں دور کا دخل نہیں ہے، لیکن دوسرے مذاہب میں وہ عرفان اور عبارت کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہیں۔

امید کی جاتی ہے کہ فکر و فلسفہ میں دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ کتاب مفید اور کارآمد ثابت ہوگی اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائے گی۔

تبصرہ نگار: انوار الوفا اعظمی

D-1014/B، چوتھی منزل، جیت پور۔2، بدرپور، دہلی، موبائل: 8750270543

پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء اور بہادر شاہ ظفر

مصنف: ڈاکٹر عبدالعزیز عرفان
صفحات: ۲۰۰، قیمت: ۲۰۰ روپے
ملنے کا پتہ: ڈاکٹر عبدالعزیز عرفان، مولانا آزاد کالج نیشنل کالونی، پلاٹ نمبر 34، اورنگ آباد (مہاراشٹر)

گزرا ہوا ہر لمحہ، واقعہ اور حادثہ انسانی کامرانیوں کا عبرت انگیز اور فکر انگیز مرقع ہے۔ جس کو ہم تاریخ کہتے ہیں۔ گزرا ہوا کل آج کا دامن گیر ہے جس سے فرد وابستہ ہے۔ ماضی کو دیکھ کر حال کے مسائل حل کرتے ہیں اور درخشاں مستقبل کی تعمیر کرتے ہیں۔ اسی لیے ٹی ایس ایلیٹ نے کہا ہے ''آج کا وقت اور گزرا ہوا زمانہ دونوں مستقبل میں شامل ہوتے ہیں۔'' جو قوم ماضی سے تعمیر نو کرتی ہے وہ کسی کے رحم و کرم پر نہیں ہوتی۔'' عزیزم ڈاکٹر عبدالعزیز عرفان یہ کتاب بھی ان کی دیگر تصانیف کی طرح فکر انگیز ہے جو ماضی کی بازیافت سے حالات سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ دیتی ہے اور شعور زندگی عطا کرتی ہے۔ آج مسلمانانِ عالم اسی المناک دور سے گزر رہے ہیں جس سے کبھی بہادر شاہ ظفر کو گزرنا پڑا۔ ہر عروج را زوالے است کے مصداق مغلیہ سلطنت کو بھی زوال پذیر ہونا تھا، لیکن جس طرح آخری مغل شہنشاہ کا المناک اختتام ہوا وہ سانحۂ کربلا کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ بہادر شاہ نے بہت پہلے جنگ آزادی کے لیے منصوبہ بندی شروع کر دی تھی۔ راجپوت راجاؤں سے اس سلسلے میں خط و کتابت جاری تھی، لیکن قبل از وقت بارک پور کے حادثہ نے اس منصوبہ کو درہم برہم کر دیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ کے لیے سب سے پہلے سوتنتر ویر ساورکر نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی یہ اصطلاح اپنی کتاب میں تحریر کی، جب کہ جدید مراٹھی مصنف پروفیسر شیش راؤ مورے نے اس جنگ پر کتاب لکھ ڈالی اور یہ بتانے کی کوشش کی کہ یہ جنگ آزادی نہیں بلکہ مسلمانوں کا جہاد تھا، چونکہ ان کی ریاستوں پر انگریز قابض ہوتے جا رہے تھے۔ بہرحال ڈاکٹر عرفان نے عصری و جدید مآخذ کی روشنی میں نہایت عمدگی سے سلجھے ہوئے انداز میں جنگ آزادی پر روشنی ڈالتے ہوئے مغل شہزادوں کا سفاکانہ قتل جو ہمایوں کے مقبرے میں روپوش تھے، انھیں باہر نکال کر انگریزوں نے اپنی سفاکیت کا مظاہرہ کیا اور بہادر شاہ اور ان کی بیگمات کو رنگون میں قید و بند کی صعوبتوں میں آخری سانس تک رکھا۔

عزیزم ڈاکٹر عرفان نے تحقیق بسیار سے شمار نمبر ۵ تا ۲۸ حوالہ جات اور مستند مآخذ کی مدد سے حالات و واقعات کو پیش کیا ہے جیسا کہ انھوں نے اپنی دیگر تصانیف کو مآخذ کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ پہلی جنگ آزادی اور بہادر شاہ ظفر، معرکۂ ۱۸۵۷ء بہادر شاہ ظفر اور ان کی تخت نشینی، انگریزی فوج اور ہندوستانی فوجیوں میں بے چینی و بغاوت، جنگ آزادی کی ابتدا اور مجاہدین کا بہادر شاہ شہنشاہ ہند تسلیم کرنا، یہ ایسے ابواب ہیں جو سیاسی حالاتِ ہند کو بحسن و خوبی قاری

کے سامنے پیش کرتے ہیں۔صرف بہادر شاہ ہی نہیں بلکہ شہزادے، شہزادیوں کے ہمراہ مغل دربار کی رقاصہ فرحت جہاں اور پہریدار نازنین بھی جنگ میں بہ نفس نفیس شریک تھیں، لیکن محل کے کچھ مطلب پرست، انگریزوں سے ملے ہوئے تھے۔ مجاہدین آزادی انگریزوں کی منظّم فوج اور عیاری و چالاکی کے سامنے ٹھہر نہیں سکے اور انھیں اندوہناک شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

دہلی کے اردو اخبار نے مولوی محمد حسین آزاد کی نظم کے ساتھ جو منظر کشی کی ہے وہ بہت ہی عبرت انگیز ہے۔اسی طرح خواجہ حسن نظامی اور امداد صابری کی تصانیف کے حوالے سے اس وقت کے حالات پر ہی نہیں آج کے حالات پر بھی غور وفکر پر دہلی کی تباہی و بربادی، مغل شہنشاہ بہادر شاہ اور شہزادوں کی گرفتاری، بہادر شاہ پر مقدمہ، رنگون میں بادشاہ، وہاں کے شب و روز، بادشاہ کی وفات، بادشاہ ظفر وجیاتی ادب ادیب کے ساتھ جنگ آزادی کی ناکامی کے اسباب اور بادشاہ ظفر کی بیگمات اور اولاد فکر انگیز وعبرت خیز ہیں۔

سرسید احمد خاں کی تصنیف اسبابِ بغاوت ہند اور دیگر مصنّفین کی کتابیں ۱۸۵۷ء کے غدر پر مختلف انداز سے اس سانحہ کو پیش کرتی ہیں۔دہلی کی تباہی کے ساتھ ہی علمائے کرام پر ٹوٹی قیامت صغریٰ جہاں درختوں پر ان کی لاشیں لٹکی تھیں اور امرا اور غربا کی خواتین کی خون رلانے والی داستان خونین تاریخ کا دلدوز حصّہ بن گئی۔جن قاری کے ذہن کے دریچے وا ہوتے ہیں کہ حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے کس طرح زندگی بسر کرے۔یہی تاریخی واقعات کا ادراک ہے جس کو ڈاکٹر عرفان نے احسن انداز میں پیش کیا ہے۔ان کی دیگر تصانیف کے مانند انشاءاللہ اس کتاب کی مقبولیت کے ساتھ پذیرائی ہوگی۔

تبصرہ نگار: ڈاکٹر مرزا محمد خضر
موظف، ایسوسی ایٹ پروفیسر تاریخ، ڈاکٹر رفیق زکریا کالج فار ویمن، اورنگ آباد

آندھیوں میں چراغ

مصنف/شاعر: محمد شاہد پٹھان
صفحات: ۲۰۸، قیمت: ۳۵۰/روپے
ناشر: عمران عاکف خان [مصنف/شاعر]

اردو زبان وادب کی آبیاری اور فروغ میں اردو غزل/شاعری کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔دور اول سے ہی اس صنف نے زبان وادب کی مقبولیت اور اس کی فتوحات میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیے ہیں۔

زیر نظر کتاب ''آندھیوں میں چراغ'' اسی عہد یعنی مابعد جدید دور کی نمائندگی کرتی ہے۔اس کے مصنف/شاعر محمد شاہد پٹھان کا نام شاعری کی دنیا میں نیا نہیں ہے، وہ ایک اچھے نقاد، صاحب طرز ادیب اور محقق بھی ہیں، مگر ان کی اصل شہرت شاعری سے ہی ہے۔ان کا شعری سفر تقریباً تین دہائیوں پر مشتمل ہے۔نیز ان کا کلام ملک بھر کے معتبر اور اہم ترین رسائل و جرائد کی زینت بنتا رہا ہے۔ان کی غزلوں اور دیگر شعری کمالات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ لیلائے غزل کی زلف کو سنوارنے کا کامل ملکہ رکھتے ہیں، اسی طرح غزل کی مکمل روایت، اس میں رونما ہونے والی تبدیلیوں اور قدروں سے بہ خوبی واقف ہیں۔انھیں اساتذہ کے کلام میں موجود باریکیوں سے آگاہی اور دیگر ابعاد سے بھی واقفیت ہے۔

شاہد پٹھان کی شاعری سنجیدہ فکروں کی شاعری ہے۔ان کی غزلوں کا محبوب اپنے حسن، رعنائی وزیبائی اور دلکشی کے ساتھ ساتھ ایک سنجیدہ فرد ہے، جو اپنے چاہنے والوں کو حسن کی خیرات کے ساتھ ساتھ احساس وفکر کی سوغات بھی دیتا ہے۔انھوں نے اپنے اس کردار کی تربیت ہی ایسی کی ہے کہ وہ اس کا ظاہری وجود تو دل ربائی کا محور ہو ہی، اس کا نفس اور اندرون بھی روشنیوں وہدایات کا منبع بنے۔یہ خوبی محمد شاہد پٹھان اور ان کی شاعری کو معاصر شعرا اور ان کی شاعری سے جدا اور ممتاز کرتی ہے۔حالاں کہ یہ دور جدیدیت کی ناتجربہ کاریوں کا دور ہے، مگر محمد شاہد پٹھان نے اس بے سمت روی سے اپنا دامن بچا رکھا ہے۔

ایک مثال ملاحظہ کیجیے:

غزل کے رنگ میں اپنا ہنر دکھاتے ہوئے
کئی برس ہوئے ہم کو لہو جلاتے ہوئے

کھلائے ہیں لہو سے پھول ہم نے دشت وصحرا میں
بناتے آئے ہیں گلزار ہم بنجر زمینوں کو

کتاب زندگانی کی عبارت لکھ رہا ہوں
نہ سمجھے کوئی افسانہ، حقیقت لکھ رہا ہوں

یہ اشعار محمد شاہد پٹھان کی شعر گوئی کا مجموعی تعارف یا سرنامہ ہیں، یعنی ان کے نزدیک شعری ہیئت میں رنگ ونکہت اور گل وبلبل کی پذیرائی سے زیادہ بنجر زمینوں کو آباد کرنا اور اس کے لیے جگر کاوی کرنا ہے۔جب پھول کھل اٹھیں گے، تبھی ان کی محنت وکوشش وصول ہوگی، لیکن جب تک نہیں ہوتی، وہ اپنے مشن میں لگے ہیں، اس سے وابستہ ہیں اور اپنے خون جگر سے اس کی کشید وآبیاری کررہے ہیں۔

۱۹۸۸ء سے جاری ہونے والا محمد شاہد پٹھان کا شعری سفر آج ۳۰-۳۲ برس کا ہو چکا ہے، جس میں انھیں متعدد تجربات کا سامنا کرنا پڑا، مگر انھوں نے روز اول سے جو اپنی روش اپنائی ہے وہ اسی کو وسعت دیتے جارہے ہیں، وہ اسی میں ہی نئے اماکن، جہات، اطراف، جوانب اور پہلو، لفظیات، استعارات تلاش کررہے ہیں، انھیں کامیابی بھی مل رہی ہے اور آگے بڑھنے کی تحریک بھی۔ملاحظہ کیجیے چند مثالیں:

سبز کھیتوں میں مہکتا ہے پسینہ میرا
ان بہاروں میں ہے شامل مرے ایثار کا رنگ

اپنے معمول میں مصروف ہے دنیا شاہدؔ
کون دیکھے گا مرے دیدۂ خوں بار کا رنگ

اب رام کے آدرش نظر آتے ہیں کم کم
اس پاپ کے سنسار میں راون ہیں زیادہ

اسی قسم کے اور بھی متعدد اشعار ہیں جن میں فکری گہرائی اور نظری بصیرت موجود ہے، پھر دونوں چیزیں مل کر محمد شاہد پٹھان اور ان کی شاعری کی تشکیل کرتی ہیں۔ ان کا مزید مطالعہ ہمیں وہاں لے جاتا ہے جہاں خیال کی پاکیزگی اور بلندی بسیرا کرتی ہے، یعنی پستی سے بلندیوں کی جانب، اندھیریوں سے روشنیوں کی جانب۔ چنانچہ محمد شاہد پٹھان کے یہاں سطحی یا سوقیانہ فکروں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے، ان کا معیار جنوں یا شعروشاعری، ان سے بہت آگے کی چیز ہے۔ دراصل انھوں نے اپنے اشعار میں اپنا ہی درد وکرب سمویا ہے، دوسروں کی راگنی نہیں گائی، اول الذکر عمل نہایت مشکل ترین ہے جب کہ دوسروں کی باتیں ہر کوئی بڑھا چڑھا کر کہہ دیتا ہے۔

حمد باری تعالیٰ ونعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے روایتی طرز سے شروع ہونے والا یہ مجموعۂ غزل ۲۰۸ صفحات تک اسی طرح نور ونکہت اور علمی وفکری روشنی بکھیرتا چلا جاتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ اردو شاعری وغزل کے شناور اور سنجیدہ احساس وفکر کے مالک افراد محمد شاہد پٹھان کی اس پیش کش کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور ''آندھیوں میں چراغ'' مجموعہ اپنے حصے کی مجموعی مقبولیت وشہرت حاصل کرے گا۔

تبصرہ نگار: عمران عاکف خان

259، تاپتی ہاسٹل، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی۔ 110067

سہ ماہی: ادب و ثقافت

مدیر: پروفیسر محمد ظفر الدین

صفحات: ۳۱۲

ناشر: ڈائریکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز، مولانا آزاد یونیورسٹی، حیدرآباد

ادب و ثقافت کا رشتہ چولی دامن کا ہے۔ ادب دنیا کی سب سے خوبصورت اور حسین چیز ہے جسے پڑھ کر انسان لطف اندوز ہوتا ہے اور آنے والی نسل کو ادب ہی سکھاتا ہے۔ اسے پڑھنے کے لیے حوصلہ افزائی کرتا رہتا ہے۔ ادب ہی ہمیں زندگی جینے کا سلیقہ سکھاتا ہے۔ ادب وہ چیز ہے جسے پڑھ کر اور اس پر عمل کر کے زندگی کو بہتر سے بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ ادب ہی ہمیں آگے بڑھنے کا ہنر سکھاتا ہے۔ عام آدمی ہو یا کوئی خاص سب کو ادب کا سہارا لینا پڑا ہے۔ بنا ادب کے انسان پتھر کا ایک مجسمہ نظر آتا ہے۔ ادب ہی ہم سب کو ادب کرنا سکھاتا ہے۔ ان میں سب سے اچھا وبہتر اردو ادب ہے۔ اردو زبان سب سے پیاری زبان ہے۔ ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ اردو زبان دنیا کی سب سے شیریں زبان مانی جاتی ہے۔ ہندوستان میں اردو ادب والوں نے اردو ادب کو فروغ عطا کیا یعنی پایۂ تکمیل تک پہنچایا جسے آج ہم اردو ادب کو بہت دلچسپی کے ساتھ پڑھ رہے ہیں۔ انشاءاللہ لوگ آگے بھی پڑھتے رہیں گے۔

زیر نظر تبصرہ ششماہی ریسرچ اور ریفریڈ جرنل رسالہ ''ادب وثقافت'' مدیر پروفیسر محمد ظفر الدین کے خوبصورت تحقیقی رسالہ پر ہے۔ یہ مارچ ۲۰۱۸ء میں شائع ہوا ہے جس میں بڑے بڑے تخلیق کار، محقق، نقاد، افسانہ نگار، ناول نگار، ڈراما نگار اور دیگر اصناف کے مضامین ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔ اس تحقیقی رسالہ کے مضامین بے حد دلچسپ وعمدہ ہیں۔

اس میں کل ۱۵ مضامین ہیں۔ (۱) احمد ندیم قاسمی: ایک اہم افسانہ نگار.... پروفیسر شارب ردولوی (۲) دکنی شاعری میں عشق رسول.... پروفیسر عبدالستار دلوی (۳) محمد شاہی عہد کے ترجمان شاہ مبارک آبرو اور ان کا رنگ سخن.... پروفیسر خالد محمود (۴) ادب وثقافت کی گمشدہ تلف شدہ تحریریں۔ پروفیسر وہاب قیصر (۵) چکبست پر لکھے گئے دو نایاب اور اہم مقالات.... پروفیسر علی احمد فاطمی (۶) دبستان لکھنؤ اور اردو ڈراما.... پروفیسر شاہد حسین (۷) ڈاؤڈے جنگ (فضائل عدم عمل).... پروفیسر ارشد مسعود ہاشمی (۸) آصف جاہی عہد میں خواتین کی ترقی کے اقدامات.... ڈاکٹر آمنہ تحسین (۹) عصری حسیت اور اردو افسانہ.... ڈاکٹر مسرت جہاں (۱۰) اردو نثر کے ارتقا میں اودھ کی داستانوں کا حصہ.... ڈاکٹر عباس رضا نیر (۱۱) ڈاکٹر مومن محی الدین: فارسی کے ہمہ جہت استاد.... ڈاکٹر سعیدہ پٹیل (۱۲) اکبرالہ آبادی کی ظرافت نگاری.... ڈاکٹر عطیہ رئیس (۱۳) اردو میں نفسیاتی تنقید: ایک جائزہ.... سلمان عبدالصمد (۱۴) جموں وکشمیر کی معاصر اردو شاعری اور چند اہم غزل گو شعرا (اکیسویں صدی کے تناظر میں).... غلام نبی کمار، اور آخر میں (۱۵) ہمارے قلمکار.... ادارہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

سچ کہا جائے تو اس میں شامل سبھی مضامین عمدہ ہیں، مگر کچھ مضامین بے حد عمدہ ہیں۔ جن میں چکبست پر پروفیسر علی احمد فاطمی نے بہت خوبصورت مضمون لکھا ہے۔ چکبست پر علی احمد فاطمی کا مطالعہ بہت گہرا ہے اور ان پر گہری صلاحیت رکھتے ہیں۔ زبان وبیان کے لحاظ سے بھی سبھی مضامین تخلیقی، تنقیدی وتحقیقی شان لیے ہوئے ہیں۔ جس سے اس کی تحریر زیادہ پرزور اور دلچسپ معلوم ہوتی ہے۔ ''ادب وثقافت'' ایک بہترین رسالہ ہے۔ مختلف پہلوؤں سے یہ رسالہ بے حد عمدہ ہے مگر کہیں کہیں جملہ ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے مطالعہ کے دوران خلل پیدا ہوتا ہے۔ سرورق دیدہ زیب ہے۔ زبان صاف وآسان ہے۔ یہ تحقیقی رسالہ پڑھنے والوں کو خوب پسند آئے گا اور قارئین اسے اپنے مطالعہ کا حصہ بنائیں گے۔

تبصرہ نگار: سنتوش کمار 'جے ہند'

ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی، دہلی، موبائل: 2827582695